محمد اسحاق بھٹی

علمِ حدیث اور اسماء الرجال

لفظِ حدیث کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر پر ہوتا ہے۔ اثر، خبر اور سنت کے الفاظ بھی انہی معنوں میں مستعمل ہیں۔ حدیث کا لفظ خود رسول اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے کلام اور ارشادات کے لیے پسند فرمایا، تاکہ آپ کے اور دوسرے لوگوں کے کلام اور اقوال میں امتیاز ہو سکے اور آسانی سے نشان دہی کی جا سکے کہ یہ آنحضرتؐ کا فرمان ہے، اور یہ کسی اور کا قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی روایات کے اس دل آویز اور ضوفشاں ذخیرے کو جو آنحضرت کے فرامین پر مشتمل ہے "حدیث" کے نام سے موسوم کیا گیا اور یہ علم "علم الحدیث" کہلایا۔

پھر آگے چل کر علم حدیث میں اس درجہ وسعت اور تنوع پیدا ہوا کہ اس سے متعدد علوم، عالمِ وجود میں آئے اور اس شجرہ طیبہ کی طویل و عریض شاخوں نے گوناگوں اور بوقلموں اصنافِ علم کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور پروان چڑھایا، ان علوم میں ایک نہایت بنیادی، اور ضروری علم "اسماء الرجال" کا ہے، جس کی علمِ حدیث کے ساتھ بدرجہ غایت گہری وابستگی ہے جب ہم حدیث کا لفظ بولتے ہیں تو ذہن میں بلا کسی ادنیٰ توقف کے فوراً اسماء الرجال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس علم کی کیا تعریف ہے اور اس کے حدودِ اطلاق کیا ہیں — ؟

مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ رواتِ حدیث کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کی سیرت و سوانح اور تراجم و احوال کو معرضِ بیان میں لانا "فنِ اسماء الرجال" یا "علم اسماء الرجال" کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام کے عظیم الشان اجتماع میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ :

فلیبلغ الشاھد الغائب : یعنی جو لوگ اس مجمع میں موجود ہیں، جو میری زندگی کے لیل و نہار

سے واقف ہیں، جنھوں نے اپنی آنکھوں سے میرے عمل و کردار کا مشاہدہ کیا ہے اور جانتے ہیں کہ ان کے سامنے میری حیاتِ دنیوی کس انداز کی رہی ہے، ان کا فرض ہے کہ وہ یہ سب باتیں ان لوگوں تک پہنچا دیں جو اس وقت کسی وجہ سے یہاں موجود نہیں ہیں، یا ابھی اس عالم آب و گل میں نہیں آئے، آئندہ پیدا ہوں گے۔

چنانچہ حضور کے جاں نثاروں اور آپ کے ہر قول و فعل کی حفاظت کرنے والی عالی قدر جماعت نے جنھیں آپ کے "صحابہ" کہا جاتا ہے، آپ کے اس ارشاد کو آویزۂ گوش بنایا۔ وہ مقدس جماعت، شانِ نبوت کی ایک ایک ادائے دل نواز سے نہ صرف واقف تھی، بلکہ اس پر دل و جان سے فریفتہ بھی تھی اور فریضہ رسالت کے تیوروں اور اس کی نزاکتوں سے خوب آگاہ تھی۔

اس طائفۂ مقدسہ نے حضور فداہ ابی و امی کے آغازِ نبوت سے لے کر آپ کے وصال تک کے تمام واقعات، اوامر و نواہی کے سلسلے کی تمام باتیں اور معاملات و عبادات سے متعلق تمام احکام اپنی اولاد، اپنے تلامذہ، اپنے اعزہ و اقارب، اپنے رفقا و احباب اور ملنے والوں کو بلا کم و کاست سناتے۔ صحابہ کرام کے بعد ان کے جن شاگردوں نے اس مسند کو زینت بخشی، انھیں تابعین کہا جاتا ہے، تابعین نے بھی تبلیغ و تدریس حدیث میں اسی گرم جوشی کا ثبوت دیا اور نہایت دیانت کے ساتھ اس امانت کو جو انھیں اپنے اساتذہ یعنی صحابہ عظام سے ملی تھی، اپنے شاگردوں کے حوالے کیا۔ تابعین کے شاگرد تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ تبع تابعین نے بھی انتہائی کوشش اور سعیِ مسلسل سے یہ خدمت انجام دی اور اپنے سے بعد کے حضرات کو اس عظیم الشان دولتِ دینی سے مالا مال کیا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے روح پرور حالات، آپ کے اقوال و معمولات اور اسوۂ حسنہ کو علمائے حدیث کی رفیع المرتبت جماعت نے اس نہج و اسلوب سے محفوظ و مدوّن کیا کہ دنیا کی پوری تاریخ میں اس کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی۔ انھوں نے روایات کی مدد سے حضور کے احوال و کوائف اور اعمال و اقوال کا ایک بے مثال گلستاں سجا دیا اور اپنی مساعی جمیلہ سے معلومات کا ایک پیکرِ حسین لوگوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کی یہ بات حقیقتِ حال کی بالکل صحیح عکاسی کرتی ہے کہ:

"مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

جن برگزیدہ ہستیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کو روایت کیا، یا جن شخصیتوں نے انھیں تحریر و کتابت کی سلک میں پرویا اور ان کے تحفظ و تدوین کی خدمت انجام دی انھیں رواتِ حدیث و آثار کے پرشکوہ نام نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں صحابہ کرام سے لے کر ان کے زمانے سے بعد تک کے بزرگانِ دین شامل ہیں۔ مشہور مستشرق سپرنگر کے محتاط اندازے کے مطابق ان کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچی ہے۔ وہ خوش بخت لوگ جنھوں نے رسولِ اکرم کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل کیا، ان میں سے کم و بیش بارہ ہزار افراد کے نام اور حالات صفحاتِ کتب میں پوری آب و تاب کے ساتھ نقش ہیں۔

ان راویوں سے جو روایات مروی ہیں وہ حدیث کی کتابوں میں جوں کی توں محفوظ ہیں، ان کتابوں میں صحاح ستہ، مسند امام احمد اور سنن ابنِ ماجہ وغیرہ خاص طور سے لائقِ تذکرہ ہیں۔ ان کے علاوہ، اور بہت سی کتابیں اس ذخیرۂ دینی کو اپنے دامن صفحات میں سمیٹے ہوتے ہیں پھر سیرت اور مغازی کے موضوع کے متعلق متعدد کتابیں معرضِ تصنیف و تالیف میں آچکی ہیں۔

سب سے پہلے روایات و احادیث کی جمع و تدوین کے سلسلے کی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کہنے سے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی اور سیرت کے بارے میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی، جو اس فن کی پہلی کتاب ہے۔ بعد ازاں مغازی اور سیرت کے موضوع سے متعلق کئی کتابیں ضبطِ تحریر میں آئیں۔

حدیث، تفسیر اور سیرت وغیرہ کے سلسلے کا بہت سا مواد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک ہی میں متعدد صحابہ کی کوشش سے صفحاتِ قرطاس میں آگیا تھا۔ عہدِ صحابہ و تابعین میں اس ضمن میں مزید تگ و تاز ہوئی، اور جن لوگوں کے پاس زبانی یا تحریری طور پر یہ موجود تھا، ان سے حاصل کر کے انتہائی احتیاط کے ساتھ جمع کیا گیا۔ وہ اس باب میں ہر سنی سنائی بات کو شائستۂ التفات نہ گردانتے تھے، کیونکہ ان کے پیشِ نگاہ ہر وقت حضور کا یہ ارشاد رہتا تھا۔

کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع ۔ یعنی کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرنا شروع کر دے ۔

انھوں نے روایات کے اخذ و قبول کے لیے انتہائی کڑی شرائط وضع کیں اور سخت قسم کے اصول مدوّن کیے ۔

اصحابِ حدیث نے روایات کے اخذ و قبول کے جو اصول و قواعد وضع کیے اور جو پیمانے اور معیار مقرر کیے، ان میں ایک یہ ہے کہ اس راوی کی روایت کو قابلِ قبول ٹھہرایا جائے جو خود شریکِ واقعہ اور اس روایت کا راویِ اوّل ہے ۔ اگر بالفرض وہ خود شریکِ واقعہ نہیں تو ان تمام راویوں کا سلسلہ محفوظ ہونا ضروری ہے جو شریکِ واقعہ تک ساری بات پہنچا دیں ۔ اس کے علاوہ یہ بھی لازمی ہے کہ تمام راویانِ واقعہ کے نام ترتیب کے ساتھ بیان کیے جائیں ۔ اصل واقعہ تک پورے سلسلۂ روایت میں کہیں انقطاع پیدا نہ ہو ۔ پھر اس بات کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ کامل تحقیق و تفحص کے بعد یہ فیصلہ بھی کر لیا جائے کہ سند میں جن راویوں کے نام لیے جا رہے ہیں، وہ کون لوگ ہیں ؟ حفظ و اتقان میں ان کا کیا مرتبہ ہے ؟ روایت و درایت میں کس درجے کے حامل ہیں ؟ کس قسم کی فہم و فراست کے مالک ہیں ؟ ان کی عدالت و صداقت کیسی ہے ؟ ثقاہت و مروت میں ان کا کیا مقام ہے ؟ معاملات میں کس پایہ کے لوگ ہیں ؟ مذہب و مسلک اور عمل و عقیدہ میں ان کا رجحان کیا ہے ؟ باریک بین اور دقیقہ رس ہیں یا کند ذہن اور غبی ؟ کب پیدا ہوئے ؟ کہاں پیدا ہوئے ؟ عہدِ شباب کس طرح گزرا ؟ زمانۂ کہولت کس طرح بسر ہوا ؟ شیخوخت اور پیری کی منزلیں کہاں طے ہوئیں اور کس انداز سے ہوئیں ؟ تعلیم و تعلم کے مراحل کس نہج سے گزرے ؟ کن اساتذہ سے تحصیل کی ؟ طالب علمی کا زمانہ کیسا تھا ؟ نشست و برخاست زیادہ تر کن افکار و خیالات کے لوگوں کے ساتھ رہی ؟ علم و تحقیق کے کس مرتبے پر فائز تھے ؟ شب و روز کس ماحول میں بسر ہوئے ؟ رفقا و احباب کس قسم کے تھے ؟ دلچسپیوں کا اصل محور کون لوگ تھے ؟ مغفل تو نہ تھے ؟ خلفاء و ملوک سے کوئی تعلق رکھتے تھے یا نہیں ؟ اگر رکھتے تھے تو متملق اور خوشامدی تو نہ تھے ؟ زہد و عبادت کا کیا حال تھا ؟ اعزہ و اقارب سے کس قسم کے تعلقات رکھتے تھے ؟ متساہل تھے یا نہیں ؟ توہمات کا شکار تھے یا نہیں ؟ کسی معاملے میں

احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا تھا یا نہیں؟ راوی سفیہ یا فاتر العقل تو نہیں تھا؟ اگر اسے سفاہت کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا تو اس کی کون سی مرویات دورِ سفاہت سے پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی؟ اس میں اختلال تھا یا نہیں؟ راوی کا تعلق اہل ہوی یا زنادقہ سے تو نہیں تھا؟ مزاج میں عبوسیت یا یبوست پائی جاتی تھی یا نہیں؟ توازن و اعتدال کا کیا حال تھا؟ غرض ہر راوی کے بارے میں اس قسم کی جزئیات اور تفصیلات کی چھان بین کی جاتی تھی۔

یہ تھے وہ پیمانے اور معیار جو مختلف محدثین نے قائم کیے اور انہی کی روشنی میں اخذ و قبول روایت کے اصول مقرر فرمائے۔

پھر رواۃ کے مدارج اور طبقات قائم کیے۔ ظاہر ہے بعض راوی ذہانت و فطانت اور فہم و فراست کے بدرجۂ غایت اونچے فرازوں پر فائز تھے اور انتہائی دقیقہ رس اور اصحاب عدل و صدق تھے، اور بعض حضرات ان اوصاف و کمالات میں کم درجے کے حامل تھے۔ اس کے لیے طبقۂ اولیٰ، طبقۂ ثانیہ، طبقۂ ثالثہ اور طبقۂ رابعہ وغیرہ کی اصطلاحیں معرضِ وجود میں آئیں اور جو کوئی، جس طبقے یا درجے کا مالک تھا، اسی کو اس چوکھٹے میں موزوں کیا گیا۔

یہ طبقات سنن کے اعتبار سے بھی ہیں اور حفظ و عدالت کے اعتبار سے بھی۔!

محدثین عالی مقام نے یہ خدمت نہایت دیانت داری اور بلا خوفِ لومۃ لائم سرانجام دی۔ راویوں کی تدلیس کی وضاحت کی، ان کی مراسیل کی نشاندہی کی اور وقوفات کو صراحت سے بیان کیا، راویوں کے ضعف و غرابت کو واضح فرمایا، اور ان کے ذہول اور نسیان کو اجاگر کیا، ان کے تعصب فی المذہب کو صاف الفاظ میں نمایاں کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا معاملہ تھا اور اس میں کھرے کھوٹے کا امتیاز اسی طرح ممکن تھا۔ اس کے علاوہ اس کے تحفظ و استناد کی کوئی صورت نہ تھی۔

اگر کسی راوی میں محدثین کی قائم کردہ شرائط پائی جاتیں تو اس کی روایت قبول کر لی جاتی ورنہ اسے ترک کر دیا جاتا۔ اس ضمن میں یحییٰ بن سعید قطان سے کسی نے کہا:

اما تخشی ان یکون ھؤلاء الذین ترکت حدیثھم خصماءک یوم القیامۃ۔

کیا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ جن لوگوں کی روایت کو آپ نے ترک کیا ہے، وہ قیامت کے

روز آپ سے جواب طلبی کریں گے۔

اس کے جواب میں ان کے سچے تلے الفاظ یہ تھے :

لان یکون ھؤلاء خصمی احبّ الیّ من ان یکون خصمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یقول لم لم تذب عن حدیثی ؟

یعنی ان لوگوں کے مجھ سے جواب دہی کرنے سے کہیں بڑھ کر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے جواب دہی کریں اور پوچھیں کہ تم نے میری حدیث کا دفاع کیوں نہیں کیا ؟

پھر محدثین نے سند کا التزام کیا اور ہر روایت با اسناد بیان کی۔ ان کے نزدیک سند کو دین کے جزو لاینفک کی حیثیت حاصل ہے۔ امام زہری کا قول ہے :

الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال فیہ من شاء بما شاء۔

اسناد کا معلوم کرنا دین کا حصہ ہے، کیونکہ اگر اسناد نہ ہو تو پھر حدیث کو ہر شخص جس طرح چاہے، بیان کرے گا۔

عبداللہ بن مبارک، اس سے بھی آگے گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں :

بیننا و بین القوم القوائم یعنی الاسناد۔

ہم میں اور ان واضعین حدیث میں اسناد کا فرق ہے — یعنی ہم اسناد کا التزام کرتے ہیں اور یہ لوگ اسناد کی پروا کیے بغیر جو جی چاہے بیان کر دیتے ہیں۔

رواتِ حدیث کے حالات و کوائف کا علم حاصل کرنے اور ان کو مختلف طبقات و درجات میں منقسم کرنے میں محدثین نے بے پناہ کام کیا اور اس خدمت کی انجام دہی میں اپنی عمریں کھپا دیں۔ انھوں نے دور دراز بلاد و امصار کے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، ہزاروں میل کی خاک چھانی، طویل و عریض مسافتیں طے کیں۔ شہر شہر اور قریہ قریہ میں گھومے پھرے، راویوں سے ملے، اور ان کے بارے میں ہر نوع کی معلومات حاصل کیں۔ جو لوگ ان کے زمانے میں موجود نہیں تھے اور ان سے پہلے وفات پا چکے تھے، ان سے ملنے والوں سے یا ان کے ذریعے سے دوسرے قابل اعتماد لوگوں سے، جو ان کی مقرر کردہ شرائط پر پورے اترتے تھے، ان کے حالات معلوم کیے اور اس طرح وہ عظیم الشان فن معرضِ وجود میں آیا، جسے فن اسماء الرجال کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یعنی وہ فن جو رواتِ حدیث و آثار کے اسماء، القاب، کنیتوں، سوانح حیات، سیرت اور اوصاف ک
کرتا ہے، نیز ان کے بارے میں جرح و تعدیل اور ان کے طبقات و درجات کی تعیین کا آئینہ د
یہی وہ فن ہے، جس کے بارے میں معروف مستشرق سپرنگر کا کہنا ہے کہ:

"دنیا میں نہ کوئی قوم ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرج
جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔"

جن اسلافِ کرام نے اس اہم اور بنیادی کام کی تکمیل اور انجام دہی کا بیڑا اٹھایا، وہ اپ
دَور کے نہایت محنتی اور انتہائی مستعد لوگ تھے، وہ اس سلسلے میں نہ کسی کے دباؤ میں آئے،
کوئی دنیوی حرص و طمع ان کے سدِّ راہ ہوئی اور نہ کوئی بڑے سے بڑا مفاد ان کے قلم کی بے پن
رفتار میں رکاوٹ پیدا کر سکا۔ انھوں نے اپنی سعیِ پیہم سے حدیث کے بارے میں تمام شبہات
ازالہ کر دیا اور شک و شبہے کی کوئی صورت باقی نہیں رہنے دی۔ چنانچہ سمتھ جیسا متعصب مستشرق
یہ کہنے پر مجبور ہے کہ:

"یہاں سورج کی پوری روشنی جمع ہو گئی ہے جو ہر چیز پر براہ راست پڑ رہی ہے اور ہر شخص تک پہن
سکتی ہے۔"

بلاشبہ وہ تمام حالات کتبِ اسلاف میں محفوظ ہو گئے ہیں، جن کا کسی بھی نہج سے رسول ال
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے کوئی بھی تعلق تھا۔ ہم بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ محدثین ن
جس لگن اور قلبی تعلق کے ساتھ اس فن کو لائقِ اعتنا ٹھہرایا اور جس محنت سے اس علم کو معراجِ کمال تک
پہنچایا، اس میں کوئی دوسری قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو بلاشبہ سب کے سب عادل و صدوق تھے ہی، لیکن ان
کے تلامذہ میں سے اور پھر ان کے تلامذہ کے تلامذہ میں سے بہت سے حضرات نمایاں ہو کر ابھر
جنھیں رواۃ پر جرح و تعدیل کے بہت بڑے امام مانا جاتا ہے۔ مثلاً بہ ترتیبِ زمانی ان میں سے
بعض ائمہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، شعبی، محمد بن سیرین، سلیمان اعمش، معمر، شعبہ، سفیان ثوری،
حماد بن سلمہ، لیث بن سعد، امام مالک، عبد اللہ بن مبارک، بشر بن مفضل، وکیع بن جراح، ید

سفیان بن عیینہ۔

فن اسماء الرجال اور اس سلسلے کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اس موضوع پر غالباً سب سے پہلے ابو سعید یحییٰ بن سعید بن فروخ نے کتاب لکھی۔ ان کی وفات ۱۹۸ھ کو ہوئی لیکن یہ کتاب اب نایاب ہے۔ ان کے شاگردوں میں یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد سجستانی کے اسماء سے گرامی قابل ذکر ہیں۔

اسماء الرجال کے سلسلے کی جو کتابیں دستیاب ہیں، ان میں سب سے پہلے امام بخاری کی تالیفات ہیں، جن کے نام یہ ہیں۔

التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر، الضعفاء الصغیر، کتاب المفردات والوحدان۔ پھر مختلف حضرات نے ان کتابوں کے ذیول لکھے۔ امام دارقطنی اور ابن محب الدین نے ذیل التاریخ کا تکملہ لکھا۔ خطیب بغدادی نے الموضح لاوہام الجمع والتفریق کے نام سے تعقب لکھا۔ ابن ابی حاتم نے التاریخ پر استدراک سپرد قلم کیا۔

اسی فن میں امام بخاری کے بعد امام مسلم نے کتاب المفردات والوحدان تصنیف کی، امام مسلم ہی کے زمانے میں احمد بن عبداللہ عجلی نے کتاب الجرح والتعدیل قلم بند کی۔ امام نسائی نے کتاب الضعفاء والمتروکین تالیف کی۔ یہ نہایت اختصار کے ساتھ ان چند مشہور کتابوں کا ذکر ہے جو تیسری صدی ہجری کے اوائل تک اسماء الرجال کے فن میں لکھی گئیں۔

چوتھی صدی ہجری کے مشاہیر محدثین میں سے جنھوں نے اسماء الرجال پر قابل قدر ذخیرہ چھوڑا، چار بزرگوں کے اسمائے گرامی لائق تذکرہ ہیں، ان میں سے ایک محمد بن احمد بن حماد الدولابی ہیں، جو ۳۱۰ھ میں فوت ہوئے اور کتاب الاسماء والکنی تصنیف کی، اس کتاب میں راویانِ حدیث کے ناموں اور کنیتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ دوسرے ابن ابی حاتم ہیں جو الجرح والتعدیل کے مصنف شہیر ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب الکنی اور کتاب المراسیل بھی ان کی تصانیف ہیں، جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔ تیسرے امام دارقطنی ہیں، جنھوں نے ۳۸۵ھ میں وفات پائی اور ضعیف راویوں کے حالات میں کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اسی صدی کے چوتھے بزرگ ابو احمد علی بن عدی بن علی قطان ہیں، جن کا سال وفات ۳۶۵ھ

ہے۔ انھوں نے فنِ اسماء الرجال پر الکامل فی الجرح والتعدیل کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کو الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے اس کا نام الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتحدثین بھی لکھا ہے۔ متقدمین کے نزدیک یہ کتاب اپنے فن کی نہایت مقبول اور معروف کتاب ہے۔ امام دارقطنی اس کتاب کی افادیت کے بہت معترف ہیں۔ اس کتاب کے بھی قلمی نسخے موجود ہیں۔ ابن القیسرانی محمد بن طاہر مقدسی نے اس کا ایک ذیل بھی لکھا ہے۔ اس کتاب پر اور بھی متعدد اکابر اور اصحابِ علم نے کام کیا ہے کسی نے اس کا ذیل لکھا اور کسی نے تلخیص کی۔

ابو احمد علی بن سدی بن علی قطان کی ایک کتاب اسماء الصحابہ ہے۔ اس کا بھی قلمی نسخہ محفوظ ہے۔

اسی فن میں پانچویں صدی ہجری کے آغاز کے ایک مشہور محدث عبدالغنی مقدسی نے جن کا سنِ وفات ۴۰۹ھ ہے۔ الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کی تہذیب و تکمیل یوسف بن زکی مزّی نے تہذیب الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے کی۔ یہ کتاب بارہ جلدوں کو محیط ہے۔ تیرہ جلدوں ہیں ابو عبداللہ علاء الدین المغلطائی بن قلیج نے الکمال فی اسماء الرجال کے نام سے اس کا تکملہ لکھا۔ پھر حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص کی۔ ان کے علاوہ کچھ اور بزرگوں نے اس کی تلخیص بھی کی اور بعض نے اس پر اضافے بھی کیے۔

پانچویں صدی ہجری کے بعض دیگر نامور اصحابِ حدیث اور بلند پایہ اربابِ قلم نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً امام بیہقی نے جن کا پورا نام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی ہے اور سنِ وفات ۴۵۸ھ ہے۔ "کتاب الاسماء والصفات" تحریر کی۔

دیارِ اندلس کے معروف محدث ابن عبدالبر نے صحابہ کرام کے حالات میں "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" تالیف کی۔ ان کا پورا نام ابو عمر جمال الدین یوسف بن عمر بن عبدالبر ہے۔ قرطبہ کے اس عالم کو اس کے حفظ و اتقان اور وسعتِ علم کی وجہ سے "احفظ اہل المغرب" کہا جاتا ہے۔ ان کا سالِ وفات ۴۶۳ھ ہے۔

اس اہم موضوع کے چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین میں سے امام ابن جوزی کی دو کتابیں لائقِ

تذکرہ ہیں۔ ایک کتاب الضعفاء والمتروکین اور دوسری اسماء الضعفاء والوضعین۔ ابن جوزی نے ۵۹۷ھ کو وفات پائی۔ امام ذہبی نے ابن جوزی کی کتاب الضعفاء والمتروکین کی تلخیص بھی کی اور اس کے دو ذیول بھی قلم بند کیے۔

ساتویں صدی ہجری میں جن ائمہ عظام نے اس ضروری عنوان کو قابل توجہ ٹھہرایا، ان میں امام نووی کا اسم گرامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کا سالِ وفات ۶۷۶ھ ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں دو کتابیں لکھیں۔ ایک تہذیب الاسماء اور دوسری المبہمات من رجال الحدیث۔!

آٹھویں صدی ہجری کے جن اعاظم رجال نے فنِ رجال کو ہدفِ تحریر ٹھہرایا، ان میں بعض حضرات کا ذکر ضروری ہے۔ ان میں ایک حافظ ذہبی ہیں، جن کا سنِ وفات ۷۴۸ھ ہے۔ ان کی اس موضوع سے متعلق کم سے کم چھ کتابوں کا پتا چلتا ہے، جن کے نام یہ ہیں: تذکرۃ الحفاظ، طبقات الحفاظ، المشتبہ فی اسماء الرجال (اسے مشتبہ النسبۃ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) المغنی، الکاشف، میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔

دوسرے مشہور مفسر و محدث حافظ ابن کثیر ہیں، ان کا پورا نام ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر ہے، انھوں نے ۷۷۴ھ کو انتقال کیا، یہ امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہیں۔ فن اسماء الرجال میں تکمیل فی معرفۃ الثقاۃ والضعفاء والمجاہیل، ان کی تصنیف ہے۔

نویں صدی ہجری میں بھی اس موضوع پر بہت کام ہوا۔ اس عہد کے ایک مشہور ماہر فنِ رجال ابن مُزنی تھے۔ ان کا پورا نام ناصر بن احمد بن یوسف فزاری لبسکری ہے۔ انھوں نے ۸۲۳ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ اس عالمِ حدیث نے تاریخ رواتِ حدیث کے بارے میں ایک بہت ضخیم کتاب تصنیف کی تھی، جو سو جلدوں کو محیط تھی۔ لیکن افسوس ہے یہ کتاب دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئی ہے۔

اس دور کے مشاہیر مصنفین میں سے ایک حافظ ابن حجر ہیں، جن کا سال ارتحال ۸۵۲ھ ہے۔ انھوں نے اس موضوع پر بڑا کام کیا اور اس سے متعلق قابلِ قدر کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں جن میں الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، لسان المیزان وغیرہ لائقِ تذکرہ ہیں۔

پھر نویں صدی ہجری کے آخر یا دسویں صدی ہجری کے بالکل آغاز میں حافظ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے زوائد الرجال علی تہذیب الکمال کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی۔ اس کے بعد اس باب میں تحقیق و تفحص کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

حافظ سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) نے بھی اس مسئلے کو زیر بحث ٹھہرایا اور کتابیں لکھیں۔

بعض حضرات نے صرف صحاح کے راویوں کے بارے میں کتابیں لکھیں۔ بعض نے شیخین یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے رواۃ پر کتابیں تصنیف کیں۔ بعض نے المؤتلف والمختلف وغیرہ نام کی کتابوں میں راویوں کے آپس میں ملتے جلتے ناموں میں التباس و اشتباہ کو رفع کرنے کی طرف عنان توجہ ملتفت کی۔

بعض مؤلفین نے "الموضح" کو موضوع بحث ٹھہرایا اور اس پر مستقل کتابیں لکھیں۔ یعنی ایسے رواۃ کا ذکر کیا جو اپنے نام، کنیت، لقب وغیرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ مشہور ہیں لیکن سلسلۂ سند میں ان کا وہ مشہور نام یا لقب یا کنیت وغیرہ نہیں آیا بلکہ غیر مشہور نام یا لقب آ گیا ہے۔ ان کتابوں میں اصل حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے۔

پھر مَن نسِیَ وحَدَّث کے مضمون پر بھی کتابیں تصنیف کی گئیں یعنی کسی شخص نے کسی وقت کوئی روایت بیان کی لیکن بعد میں جب اس کو یہ روایت بتائی گئی تو وہ بھول چکا تھا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ راویوں یا ان کے آباء و اجداد کے نام یا کنیتیں یا لقب یا نسبتیں باہم ملتی جلتی ہیں۔ اس سے التباس اور اشتباہ پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے بھی محدثین نے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔

فن اسماء الرجال پر تحقیق کا سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک چلا۔ اس عرصے میں حدیث اور رجال پر بے پناہ کام ہوا اور مختلف محدثین نے اس میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔ آخری دور یعنی نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس موضوع سے متعلق بہت کام لیا۔ اسی اثنا میں ان کے تلامذہ حافظ سخاوی اور امام سیوطی نے اس فن کو مرکز تحقیق و تفحص ٹھہرایا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انہی حضرات پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ ان کے بعد رواتِ حدیث پر کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ کوئی شخص اس علم میں اب مزید اضافہ نہیں کر سکتا اور نئی معلومات سے

سے اہلِ علم کو بہرہ ور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب نہ وہ دور باقی رہا ہے اور نہ اس پر اضافہ ممکن ہے۔ اس موضوع پر استفادے کے لیے لازماً انہی اصحابِ حدیث کی تصنیفات سے رجوع کرنا پڑے گا۔ ان کتابوں میں رواۃ کے تراجم اور حالات اور ان کے ذہنی علمی، فنی اور عملی کوائف کا پوری طرح استیعاب کیا گیا ہے۔

اس فن نے یہاں تک وسعت اور تنوع اختیار کیا کہ اہلِ علم نے ہر فن اور ہر مسلک کے رجال پر "طبقات" کے عنوان سے بھی متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً طبقات القراء، طبقات الشعراء، طبقات المفسرین، طبقات الصوفیاء، طبقات الاولیاء، طبقات الحکماء، طبقات الادباء، طبقات الحنابلہ، طبقات الشافعیہ، طبقات المالکیہ، طبقات الحنفیہ، طبقات الاطباء، طبقات اللغویین والنحاۃ، طبقات الخطاطین وغیرہ۔

لیکن چونکہ یہ کتابیں رجالِ حدیث سے متعلق نہیں ہیں، اس لیے اصطلاح میں ان پر اسماء الرجال کی کتابوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔

شیعہ اہلِ علم نے بھی اس موضوع کو لائقِ اعتنا اور قابلِ توجہ ٹھہرایا۔ ان کے ہاں اسماء الرجال پر جن لائقِ احترام حضرات نے کتابیں لکھیں، ان میں یہ بزرگ شامل ہیں، عبداللہ بن حسین تستری، ابوعبداللہ بن جبلہ الواقفی، ابوجعفر احمد بن محمد البرقی، ابوعبداللہ محمد بن حسین محاربی، ابوعمرو محمد بن عمر کشی، ابن بابویہ قمی، ابن الکوفی ابوالعباس احمد بن علی بن احمد بن نجاشی صیرفی، عبداللہ بن محمد حسن بن عبداللہ مامقانی، وغیرہ۔

ان کی تصنیفات میں سے معرفۃ اخبار الرجال، تنقیح المقال فی علم الرجال، منہج المقال فی احوال الرجال، منتہی المقال زیادہ مشہور ہیں۔ پھر ان کی تعلیقات اور ذیول وغیرہ بھی موجود ہیں۔

بہرکیف علم حدیث کے ساتھ ساتھ فن اسماء الرجال کا گہرا تعلق ہے، اور اس پر محدثین عظام نے جو کام کیا ہے، وہ عدیم المثال ہے۔ دنیا کی اور کسی قوم نے اپنے بزرگوں اور اسلاف کے حالات اس محنت اور جانفشانی سے جمع نہیں کیے جس طرح محدثین نے کیے، انھوں نے اپنے اسلاف اور اکابر کے متعلق تمام امور کو منقح کر کے رکھ دیا ہے اور کھرے کھوٹے کی پوری وضاحت کر دی ہے۔

ان کا بہت بڑا کارنامہ جس پر فخر کیا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ انھوں نے حدیث کی چھان بین اور نقد و تفحص کے سلسلے میں خالص علمی انداز کی طرح ڈالی جس کی دوسری قوموں کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

محدثین کی اس مساعی جمیلہ کے متعلق مشہور مستشرق گولڈزیہر بھی اپنے انتہائی تعصب کے باوجود یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ جن محدثین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے طلبِ حدیث کے جذبے سے متاثر ہو کر شرق و غرب کا سفر اختیار کیا ہے، اس میں کسی مبالغہ آرائی کا دخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محدثین کرام کو اس بنیادی دینی خدمت کی انجام دہی پر بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ جزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان)

الفہرست : محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق ۔ اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی، حساب، سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں۔

صفحات ۷۸۰ مع اشاریہ — قیمت ۱۰ روپیے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور